دعا

بندے اور رب کے درمیان تعلق کا بنیادی ذریعہ

تالیف

مفتی عبد الرحمن منیر حفظہ اللہ

خطیب جامع مسجد شرف آباد (بہادر آباد کراچی)

استاذ الحدیث جامعہ یحییٰ المدنی و جامعہ اویس قرنی



بندے اور رب کے درمیان تعلق کا بنیادی ذریعہ

تالیف

مفتی عبد الرحمن منیر حفظہ اللہ

خطیب جامع مسجد شرف آباد (بہادر آباد کراچی)

استاذ الحدیث جامعہ یحییٰ المدنی و جامعہ اویس قرنی

فہرستِ عنوانات

خطبہ مسنونہ 5
حرفِ آغاز 6
بڑائی صرف خالقِ کائنات کا خاصہ ہے 9
دعا: عجز و نیاز کی معراج 10
قبولیت کی شرط: یقینِ کامل 12
بندہ اور رب کا بلاواسطہ تعلق 14
اللہ کی بے پایاں رحمت اور تقرب 16
نظامِ کائنات میں تدریج اور انسانی جلد بازی 17
دنیا کا نقد اور آخرت کا ادھار 18
محروم دعاؤں کے پوشیدہ خزانے 19
دعا: مانگنے کا ہنر اور بندگی کا جوہر 19

دعا: ضرورت نہیں بلکہ بندگی کا لازمہ.....20
تکبر سے دوری اور بندگی کا اظہار 21
قبولیتِ دعا کا اصل پیمانہ.....23

خطبہ مسنونہ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَىٰ، وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ، أَمّا بَعْدُ! فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ :وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي-

قال النبی ﷺ : "الدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ"

حرفِ آغاز

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ، سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ-

اللہ رب العزت نے انسان کو اپنی بندگی اور معرفت کے لیے پیدا فرمایا ہے، اور بندگی کا اصل جوہر عاجزی وانکساری ہے۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے :

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾

"اور (اے نبی!) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں، تو (انہیں بتادیں کہ) میں بالکل قریب ہوں، جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔"

دعا بندے اور اس کے رب کے درمیان تعلق کا بنیادی اور بلاواسطہ ذریعہ ہے۔ یہ محض کسی ناگہانی ضرورت کے وقت ہاتھ پھیلا لینے کا نام نہیں، بلکہ یہ بذاتِ خود بندگی کا لازمی تقاضا اور ایک عظیم الشان عبادت ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

"الدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ" (دعا عبادت کا مغز ہے)۔

انسان جب اپنی بے بسی کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے خالق کے سامنے دستِ سوال دراز کرتا

ہے، تو یہ اس کی انا اور خودی کو پامال کر کے بندگی کے حقیقی مقام تک پہنچنے کا سب سے خوبصورت طریقہ ہوتا ہے۔

زیرِ نظر رسالہ ”دعا“ اسی عظیم الشان عمل کی فکری و روحانی حقیقت کو سامنے لانے کی ایک مختصر اور عاجزانہ کوشش ہے۔ اس میں دعا کا فکری پس منظر، عاجزی و انکساری کی اہمیت، یقینِ کامل کی شرط، بندے اور رب کے بے واسطہ تعلق کی خوبصورتی، اور دعا کے معاملے میں انسانی جلد بازی و حکمتِ الٰہی جیسے بنیادی مباحث کو عام فہم انداز میں پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ہم دعا کو محض زبانی رسم بنانے کے بجائے، دل کی توجہ، کامل یقین اور مانگنے کے حقیقی ہنر کے ساتھ اپنے رب سے لو لگائیں۔

اللہ تعالیٰ اس معمولی کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے، اسے مؤلف اور تمام قارئین کے لیے نفع بخش اور اپنے قرب کا ذریعہ بنائے، اور ہم سب کو اپنے حضور عاجزی سے مانگنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یارب العالمین۔

عبد الرحمن منیر

تمہید

اللہ رب العزت نے اس پوری دنیا کا نظام ہم انسانوں کے لیے چلایا ہے۔ اگر انسان موجود نہ ہو تو اس کائنات کے رواں دواں رہنے اور اس کے نظام کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ یہ عظیم الشان عالم اگر قائم ہے تو اس کا مرکز و محور انسان ہی ہے۔ کائنات کی لامتناہی وسعتوں کے مقابلے میں ہماری یہ دنیا محض ایک چھوٹے سے نقطے کی مانند ہے، حالانکہ اس کائنات میں ایسی عظیم الشان کہکشائیں موجود ہیں جن کی وسعت کے سامنے ہماری کائنات کی حیثیت ایک ذرے سے زیادہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ یعنی سورج، چاند، پہاڑ، زمینیں اور نباتات انسان کی خاطر پیدا کیے ہیں، لیکن انسان کو ان مادی چیزوں کے لیے پیدا نہیں کیا گیا۔

انسان کی تخلیق کا اصل مقصد اللہ رب العزت کی بندگی اور معرفت ہے۔ بندگی کا اصل جوہر "عاجزی" ہے اور اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی یہی عاجزی اور انکساری سب سے زیادہ پسند ہے۔ وہ بندہ جو اکڑتا ہے، ضد کرتا ہے یا غرور کا مظاہرہ کرتا ہے، وہ اللہ کی نگاہ میں ناپسندیدہ قرار پاتا ہے۔ اس زمین و آسمان کی وسعتوں میں اگر تکبر اور بڑائی کسی کو زیب

دیتی ہے تو وہ صرف اور صرف اللہ کی ذاتِ اقدس ہے، کیونکہ وہی بادشاہوں کا بادشاہ اور شہنشاہِ حقیقی ہے۔ اگر کوئی انسان زمین پر تکبر کرتا ہے تو گویا وہ اللہ کی صفتِ کبریا میں دخل اندازی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

بڑائی صرف خالقِ کائنات کا خاصہ ہے

حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

"الْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي، وَالْعَظَمَةُ إِزَارِي، مَنْ نَازَعَنِي وَاحِدًا مِنْهُمَا أَلْقَيْتُهُ فِي جَهَنَّمَ" (سنن ابن ماجہ:4174)

یعنی تکبر میری چادر ہے اور بڑائی میرا تہبند ہے، جس نے ان میں سے کسی ایک کو بھی مجھ سے چھیننے کی کوشش کی، میں اسے جہنم میں ڈال دوں گا۔

اللہ تعالیٰ کو بڑے بول اور انسانی بڑائی ہرگز پسند نہیں ہے۔ قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر انسان کی چال ڈھال کے حوالے سے تنبیہ کی گئی ہے کہ زمین پر اکڑ کر مت چلو:

" وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا" (سورة الإسراء، الآية 37)

انسان اکڑ کر چلنے سے نہ تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ ہی پہاڑوں کی بلندی تک پہنچ سکتا

ہے، لہٰذا اپنی چال میں اعتدال اور عاجزی پیدا کرو کیونکہ اللہ کو انکساری ہی پسند ہے۔

حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ:

"مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ" (مشکوۃ المصابیح:5119)

یعنی جو اللہ کے لیے عاجزی اختیار کرتا ہے، اللہ اسے بلندی عطا فرماتا ہے۔

اسی عاجزی کی ایک سب سے اعلیٰ اور بہترین شکل "دعا" ہے۔ دعا ایک ایسا عمل ہے جس میں بندہ اپنی انا اور اپنی خودی کو اللہ کے سامنے پامال کر دیتا ہے۔ دنیا میں ایک صاحبِ غیرت اور خوددار انسان کسی دوسرے انسان کے سامنے ہاتھ پھیلانے کو اپنی توہین سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ میں کسی سے نہیں مانگوں گا جو ہوگا دیکھا جائے گا، لیکن یہی انسان جب اللہ کے حضور ہاتھ پھیلاتا ہے تو یہ اس کی بندگی کا سب سے بڑا اظہار ہوتا ہے۔

دعا: عجز و نیاز کی معراج

بندہ اللہ کے سامنے اعتراف کرتا ہے کہ "اے اللہ! میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے، میں تو گناہوں کا مارا ہوا ہوں اور میرا دامن خطاؤں سے بھرا ہوا ہے"۔ جب انسان اللہ کے سامنے اپنی خطاؤں کا اعتراف کرتے ہوئے پکارتا ہے:

" لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ "(الانبیاء:87)

الٰہی! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے اور بیشک میں ہی قصوروار ہوں۔

تو یہ اس کی بندگی کا کمال ہوتا ہے۔ دعا مانگنے کا اصل مقصد ہی یہ ہے کہ بندہ اس بات کا اقرار کر رہا ہے کہ "اے اللہ! میں یہ کام خود نہیں کر سکتا، میرا زور نہیں چل سکتا، تو ہی مسبب الاسباب ہے"۔ جب انسان اپنی بے بسی کا اعتراف کر کے اللہ کو پکارتا ہے تو اللہ کو اپنے بندے کی یہ ادا بہت بھاتی ہے۔ جب بندہ اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے تو گویا وہ اس ذات کو پکار رہا ہوتا ہے جس کا محض ارادہ ہی ہر کام کے لیے کافی ہے۔

ہمیں یہ سمجھایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کام کا ارادہ فرماتا ہے تو "کُن" (ہو جا) فرماتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ رب العزت کو تو "کُن" کے ان دو حروف کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تو صرف انسانی نفسیات کا خیال رکھتے ہوئے ہمیں سمجھانے کے لیے ایک اسلوب اختیار کیا گیا ہے کہ اللہ کے لیے کسی کام کا کرنا کتنا آسان ہے۔ ہماری بڑی سے بڑی مشکل، کوئی پریشانی یا کوئی بھی آزمائش اللہ کے ایک ادنیٰ سے ارادے کی محتاج ہے، ادھر اللہ کا ارادہ ہوا اور ادھر وہ چیز ختم ہو گئی۔

دعا دراصل اسی عاجزی کی ایک عظیم ترین شکل ہے، مگر افسوس کہ آج کل ہم نے دعا کو محض ایک "رسم" بنا دیا ہے کہ بس دعا کرنی ہے۔ یاد رکھیے! دعا "کرنے" کا نام نہیں ہے بلکہ دعا "مانگنے" کا نام ہے؛ دعائیں کی نہیں جاتیں، دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ مانگتے وقت ہماری نگاہ اللہ کی ذات پر ہو کہ میں کس سے مانگ رہا ہوں۔ میں اس سے مانگ رہا ہوں جو پلک جھپکنے سے بھی پہلے میرا کام کرنے پر قادر ہے۔ اس یقین، عزم اور استحکام کے ساتھ اللہ سے مانگنا چاہیے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" ادْعُوا اللّٰهَ وَأَنْتُمْ مُوقِنُونَ بِالْإِجَابَةِ"(ترمذی:3479)

یعنی اللہ سے اس حال میں مانگو کہ تمہیں اس کی قبولیت کا کامل یقین ہو۔

قبولیت کی شرط: یقینِ کامل

اگر دعا مانگتے وقت دل میں ذرا سا بھی یہ کھٹکا یا وسوسہ آ گیا کہ "میری دعا تو شاید قبول نہیں ہوتی"، تو سمجھ لیں کہ اسی دن سے آپ کی دعا کی قبولیت کے راستے بند ہو گئے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک ایمان والا اللہ کا نام لے اور اس کی پکار نہ سنی جائے؟ اللہ تعالیٰ کو ایسی دعا کی کوئی ضرورت نہیں جس میں بندے کی زبان تو اللہ سے مانگ رہی ہو مگر دل کہیں

اور بھٹک رہا ہو۔ اگر ہم دنیا میں کسی شخص سے بات کریں اور وہ ہماری طرف سے منہ پھیر لے تو ہم دو منٹ بھی اسے برداشت نہیں کرتے، تو اللہ تعالیٰ اس دعا کو کیسے قبول فرمائے جس میں بندہ اللہ سے مانگتے ہوئے دل سے کہیں اور متوجہ ہو؟ دعا کے وقت یہ صد فیصد یقین ہونا چاہیے کہ میرا رب میری پکار سن رہا ہے اور اسے قبول فرمائے گا۔

بخاری شریف کی حدیثِ مبارکہ ہے کہ ہر مومن کی دعا قبول ہوتی ہے جب تک کہ وہ جلد بازی سے کام نہ لے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! جلد بازی سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جلد بازی یہ ہے کہ انسان لوگوں سے کہتا پھرے کہ "بھئی! میں تو بڑی دعائیں کرتا ہوں مگر میری تو کوئی دعا قبول ہی نہیں ہوتی"۔ جس دن بندے نے یہ سوچ لیا، اسی دن اس کی دعا کی قبولیت پر مہر لگ جاتی ہے۔ قبولیت کی پہلی شرط یہ ہے کہ دل میں یہ پختہ یقین ہو کہ میرا اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ میں کسی عام بندے سے نہیں بلکہ اس اللہ سے مانگ رہا ہوں جس کی ملکیت میں یہ زمین، ساتوں آسمان اور ان کے درمیان کی ہر ہر شے ہے۔ جب اس کا ارادہ ہو جائے تو کوئی مشکل باقی نہیں رہتی۔

بندہ اور رب کا بلاواسطہ تعلق

قرآنِ مجید میں کل تیرہ ایسے مقامات ہیں جہاں صحابہ کرامؓ نے نبی کریم ﷺ سے کسی اہم معاملے کے بارے میں سوال کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کا جواب نازل فرمایا۔ ان مقامات پر "يَسْأَلُونَكَ" (وہ آپ سے سوال کرتے ہیں) کا عنوان آتا ہے اور اللہ کا اسلوب یہ ہوتا ہے کہ وہ فرماتا ہے: "قُلْ "یعنی (اے نبی ﷺ!) آپ ان کو جواب میں یہ کہہ دیجیے،۔ مثال کے طور پر جب چاند کے بارے میں سوال ہوا:

"يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ ۖ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ" (البقرۃ 189)

اے نبی! یہ آپ سے چاند کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دیجیے کہ یہ لوگوں کے لیے وقت کی علامتیں ہیں۔

جب قیامت کے بارے میں پوچھا گیا:

"يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ ايَّان مُرسٰها- قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي"

یہ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دیجیے کہ اس کا علم تو صرف میرے رب کے پاس ہے۔ (سورۃ الاعراف، آیت نمبر 187)

حتیٰ کہ پہاڑوں کے بارے میں سوال پر بھی فرمایا:

"وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا" (طٰہٰ: 105)

یہ آپ سے پہاڑوں کا پوچھتے ہیں، کہہ دیں کہ میرا رب انہیں ریزہ ریزہ کر کے اڑادے گا۔

ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ:

"أَقَرِيبٌ رَبُّنَا فَنُنَاجِيهُ أَمْ بَعِيدٌ فَنُنَادِيهُ؟"

یعنی اے اللہ کے نبی! کیا ہمارا رب ہمارے قریب ہے کہ ہم اس سے سرگوشی کریں یا وہ دور ہے کہ ہم اسے پکاریں؟

یہاں بھی قاعدے کے مطابق جواب "قُلْ" (کہہ دیجیے) سے شروع ہونا چاہیے تھا، لیکن جب بات اللہ کی اپنی ذات اور بندے کے تعلق کی آئی تو اللہ نے نبی ﷺ کے واسطے کو بھی درمیان سے ہٹادیا۔ اللہ تعالیٰ نے براہِ راست ارشاد فرمایا:

" وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ" (البقرۃ:186)

یعنی (اے نبی!) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال

کریں، تو (آپ کہہ دیں نہیں بلکہ) میں تو بالکل قریب ہوں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تو تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوں:

"وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ"(سورۃ ق :16)

جب بھی کوئی پکارنے والا ہاتھ اٹھا کر مجھ سے مانگتا ہے، میں لپک کر اس کا جواب دیتا ہوں۔

اللہ کی بے پایاں رحمت اور تقرب

اللہ رب العزت کی رحمت اپنے بندے کے لیے اتنی وسیع ہے کہ اس کا ادراک انسانی عقل سے باہر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر کوئی بندہ میری طرف ایک بالشت (تقریباً آدھا ہاتھ) چل کر آتا ہے، تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہو جاتا ہوں، اور اگر کوئی میری طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں ستر ہاتھ (یعنی کہیں زیادہ) اس کے قریب ہو جاتا ہوں۔ اگر بندہ اللہ کی طرف چل کر آنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ کی رحمت اس کی طرف دوڑ کر آتی ہے۔ یہاں اللہ کے لیے "دوڑنے" یا "چلنے" کے الفاظ اس کی رحمت کی وسعت اور بندے کی معمولی سی کوشش کے جواب میں اس پر ہونے والے فضل و

کرم کو ظاہر کرتے ہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ ان مادی حرکات سے پاک ہے۔ جب بندہ اپنی صلاحیت لگا کر اللہ کے قریب ہونے کی کوشش کرتا ہے، تو اللہ کی رحمتوں کا نزول اس پر ٹھاٹھیں مارتے سمندر کی طرح موجزن ہو جاتا ہے۔

نظامِ کائنات میں تدریج اور انسانی جلد بازی

اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ایمان والے اس کی بات مانیں اور اس پر کامل ایمان رکھیں، کیونکہ اللہ ہر پکار کا فوراً جواب دیتا ہے۔ تاہم دعا کا اسلوب یہ ہے کہ اسے پورے یقین کے ساتھ مانگا جائے اور لوگوں میں یہ شکوہ نہ کیا جائے کہ میری دعا قبول نہیں ہوتی، کیونکہ دعا سب کی قبول ہوتی ہے مگر اللہ نے اس میں کچھ حکمتیں رکھی ہوتی ہیں۔ اگر ہر دعا "چٹ منگنی پٹ بیاہ" کے مصداق فوراً ہی پوری ہو جایا کرے، تو پھر اس دنیا میں ایمان بالغیب اور کفر کی آزمائش ہی ختم ہو جائے۔ اگر ایک مومن کافر کے سامنے اللہ سے بارش مانگے اور فوراً بارش ہو جائے، تو حق اتنا واضح ہو جائے گا کہ کوئی کافر رہے گا ہی نہیں۔ لیکن اللہ کا نظام آزمائش پر مبنی ہے، جبکہ انسان کی فطرت میں جلد بازی رکھی گئی ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

"وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا "(سورہ النساء:28)

اور انسان بہت جلد باز پیدا کیا گیا ہے۔

انسان چاہتا ہے کہ ہر چیز فوراً ہو جائے، حالانکہ اللہ کی سنت تدریج ہے۔ اللہ چاہتا تو زمین و آسمان کو ایک لمحے میں پیدا کر سکتا تھا، مگر اس نے انہیں چھ دن میں بنایا تاکہ ہمیں یہ سبق ملے کہ دنیا کا یہ نظام اسباب اور حکمتوں سے جڑا ہوا ہے۔

دنیا کا نقد اور آخرت کا ادھار

اس دنیا میں ہر کام آہستہ آہستہ اور ایک ترتیب سے ہوتا ہے، یہاں نقد پر فیصلے نہیں ہوتے۔ شیطان کا سارا طریقہ کار نقد پر مبنی ہے؛ وہ گناہ کی ترغیب دیتا ہے اور اس کا وقتی مزہ فوراً نقد فراہم کر دیتا ہے جو جلد ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس اللہ کا نظام اکثر "ادھار" یعنی آخرت کے اجر پر چلتا ہے۔ نیکی کا ثواب دنیا میں بظاہر نظر نہیں آتا بلکہ آخرت میں ملے گا، اور یہی اصل ایمان ہے۔ اگر ہر عمل کا صلہ فوراً ملنا شروع ہو جائے تو ایمان کی تاثیر اور اس کی حقیقت ہی باقی نہ رہے۔ دعائیں حقیقت میں فوراً قبول ہو جاتی ہیں مگر ان کا نفاذ اللہ کے حکم سے اس وقت ہوتا ہے جب اللہ کی حکمت کا تقاضا ہو۔

محروم دعاؤں کے پوشیدہ خزانے

حدیثِ مبارکہ میں آتا ہے کہ قیامت کے دن جب ان دعاؤں کا اجر سامنے آئے گا جو دنیا میں بظاہر قبول نہیں ہوئی تھیں، تو مومن حیران رہ جائے گا۔ جب وہ لوگ جن کی دعائیں دنیا میں فوراً قبول ہو گئی تھیں، ان لوگوں کا اجر دیکھیں گے جن کی دعائیں آخرت کے لیے ذخیرہ کرلی گئی تھیں، تو وہ تمنا کریں گے کہ کاش ہماری بھی کوئی دعا دنیا میں قبول نہ ہوئی ہوتی اور آج ہمیں اس کا اتنا بڑا اجر ملتا۔ قیامت کے دن ایمان والا اللہ سے کہے گا کہ "اے اللہ! میں نے تو یہ سب نیکیاں کی ہی نہیں تھیں، یہ اجر کہاں سے آگیا؟"۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ تمہاری وہ دعائیں ہیں جو دنیا میں (تمہاری مرضی کے مطابق) پوری نہیں ہوئی تھیں، اس لیے میں نے انہیں یہاں تمہارے لیے ذخیرہ بنا کر رکھا تھا۔

دعا: مانگنے کا ہنر اور بندگی کا جوہر

دعا دراصل عاجزی کی ایک بہترین شکل ہے، مگر اسے صرف زبان سے "پڑھنا" یا "کرنا" نہیں چاہیے بلکہ اللہ سے "مانگنا" سیکھنا چاہیے۔ مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ دل اللہ کی طرف متوجہ ہو، کامل یقین ہو اور بندے کو پتہ ہو کہ وہ اللہ سے کیا مانگ رہا ہے۔ محض زبان سے

"رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً" پڑھ لینا تو زبان کا ذکر ہے، لیکن دعا کی افادیت اور تاثر تب بڑھتا ہے جب بندہ اس کے مطلب و مقصد کو سامنے رکھ کر اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلائے۔ حدیثِ مبارکہ میں آتا ہے :

"الدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ "--دعا عبادت کا مغز ہے۔(ترمذی شریف:3371)

جس طرح انسانی جسم سے اگر مغز (دماغ) نکال دیا جائے تو وہ ناکارہ ہو جاتا ہے، اسی طرح جس ایمان والے کی زندگی میں دعا کا عنصر نہیں، اس کی عبادت کی تاثیر ختم ہو جاتی ہے۔ بلکہ ایک اور روایت میں تو یہاں تک فرمایا گیا :

"الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ"--دعا ہی اصل عبادت ہے۔

اس لیے اللہ سے مانگنا بندگی کا سب سے بڑا جوہر ہے۔

دعا: ضرورت نہیں بلکہ بندگی کا لازمہ

دعا کے بارے میں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ جب کوئی ضرورت پیش آئے گی یا جب کوئی کام اٹکے گا، تب ہی اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلائیں گے۔ یاد رکھیے! دعا محض ضرورت پوری کرنے کا ذریعہ نہیں بلکہ یہ بذاتِ خود ایک عظیم عبادت ہے۔ جس طرح ہم روزانہ

پانچ وقت کی نماز پڑھتے ہیں کیونکہ وہ اللہ کا حکم ہے، چاہے ہماری کوئی دنیاوی ضرورت ہو یا نہ ہو، بالکل اسی طرح دعا بھی ہر حال میں کرنی چاہیے۔ دعا ایک ایسی سہل اور آسان عبادت ہے جس کے لیے کسی خاص ظاہری حالت یا کڑی پابندیوں کی شرط نہیں رکھی گئی۔ اگرچہ باوضو ہونا اور قبلہ رخ ہونا دعا کے بلند آداب میں سے ہے، لیکن یہ اس کی قبولیت کے لیے ایسی لازمی شرط نہیں کہ ان کے بغیر دعا ہو ہی نہ سکے۔ انسان چلتے پھرتے، گھر بیٹھے، یہاں تک کہ بستر پر لیٹے ہوئے بھی اپنے رب کو پکار سکتا ہے۔ بستر پر لیٹے لیٹے بھی اگر کوئی دل سے کہہ دے کہ "اے اللہ! میرا فلاں کام پھنسا ہوا ہے، اپنی رحمت سے اسے حل فرما دے"، تو اللہ کے ہاں اس کی دعا ہو گئی۔ اس کے لیے کوئی بہت زیادہ محنت یا خاص "پاپڑ بیلنے" کی ضرورت نہیں ہے، بس دل میں یہ احساس اور یقین ہو کہ میرا اللہ میری بات سن رہا ہے۔

تکبر سے دوری اور بندگی کا اظہار

اللہ رب العزت نے خود قرآنِ مجید میں بندوں کو مانگنے کی دعوت دی ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

" وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ"(المؤمن/غافر)60)

یعنی تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ تم مجھ سے مانگو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا۔

اسی آیت کے اگلے حصے میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے سخت وعید فرمائی ہے جو دعا نہیں مانگتے، کیونکہ دعا نہ مانگنا دراصل بندگی میں تکبر کی علامت ہے۔ جو بندہ اللہ کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا، وہ گویا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ عاجز نہیں ہے یا اسے اپنے رب کی ضرورت نہیں ہے، حالانکہ اللہ کو بندے کی عاجزی ہی سب سے زیادہ پسند ہے۔ ذخیرۂ حدیث میں نبی کریم ﷺ کی مانگی ہوئی دعاؤں کے اتنے بڑے مجموعے موجود ہیں کہ انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ ہمارے اسلاف اور محدثین نے ان دعاؤں کو بڑی ضخیم کتابوں میں جمع کیا ہے۔ اگر کوئی شخص صرف ان دعاؤں کا ترجمہ اور ان کی جامعیت کو دیکھ لے، تو اسے یقین آ جائے گا کہ ایسی دعائیں کسی انسان کے ذہن کی تخلیق نہیں ہو سکتیں، بلکہ یہ اللہ کے نبی ﷺ کا ایک عظیم معجزہ ہیں۔ ایسی ایسی باریک اور گہری باتیں مانگی گئی ہیں کہ عام انسانی وہم و گمان بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔

قبولیتِ دعا کا اصل پیمانہ

دعا کی قبولیت کے لیے چند آداب اور شرائط ضروری ہیں؛ مثلاً غذا حلال ہو، دعا کسی گناہ کے کام کے لیے نہ ہو اور اللہ کی ذات پر کامل یقین ہو۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک بہت مشہور قول ہے، وہ فرماتے تھے: "مجھے اس بات کی فکر نہیں ہوتی کہ میری دعا قبول ہوئی یا نہیں، بلکہ مجھے تو اس بات کی فکر ہوتی ہے کہ مجھے اللہ کی طرف سے دعا مانگنے کی توفیق ملی ہے یا نہیں"۔ آپؓ کا نکتہ نظر یہ تھا کہ اگر اللہ نے دعا مانگنے کی توفیق دے دی ہے، تو اس کا مطلب ہے کہ اس نے قبولیت کا ارادہ بھی فرمالیا ہے۔

بہت سے لوگ سوال کرتے ہیں کہ ہمیں کیسے پتہ چلے کہ ہماری دعا قبول ہو رہی ہے؟ اس کے لیے ایک بہت ہی خوبصورت اور واضح پیمانہ (کسوٹی) یہ ہے کہ اگر ایک مرتبہ دعا مانگنے کے بعد آپ کو دوبارہ مانگنے کا جی کرے اور اللہ آپ کو دوبارہ اپنے حضور ہاتھ پھیلانے کی ہمت دے دے، تو یہ اس بات کی سو فیصد علامت ہے کہ آپ کی پہلی دعا اللہ کے ہاں شرفِ قبولیت پا چکی ہے۔ قبولیت کا مطلب صرف یہ نہیں کہ مانگی ہوئی چیز فوراً مل جائے، بلکہ بار بار اللہ کے سامنے عاجزی کرنا اور اس کا قرب حاصل ہو جانا ہی اصل

کامیابی ہے۔ لہذا اگر آپ کو بار بار دعا کی توفیق ہو رہی ہے، تو سمجھ لیں کہ آپ کی دعائیں اللہ کے ہاں سنی جا رہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں زیادہ سے زیادہ اپنی طرف رجوع کرنے کی، اپنے سے مانگنے اور اپنے سامنے ہی ہاتھ پھیلانے کی توفیق عطا فرمائے، اور ہماری تمام دعاؤں میں قبولیت کی روح ڈال دے، آمین یارب العالمین۔